تحقیق وتنقید

تفسیر روض الجنان - ایک تجزیاتی مطالعہ

پروفیسر کبیر احمد جائسی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں نافع بن بُدیل بن ورقا خزاعی ایک مشہور صحابی گذرے ہیں۔ اُن کے اخلاف میں کچھ حضرات اپنے وطن اصلی سے ہجرت کر کے ایران آگئے۔ یہ لوگ تین شہروں نیشاپور، بیہق اور رَے میں بس گئے، جو شاخ رَے میں بس گئی تھی اُسی کے ایک گھرانے میں چھٹی صدی ہجری میں جمال الدین حسین نام کے ایک بچّے نے آنکھیں کھولیں، اُس کے والد کا نام علی اور دادا کا محمد تھا۔ تعلیم وتربیت کے تمام مراحل طے کرنے اور سنِ رشد کو پہونچنے کے بعد یہی بچّہ ابو الفتوح رازی کے نام سے مشہور ہوا جس کا شمار اکابر شیعہ علما میں ہوتا ہے۔ افسوس ہے کہ ابو الفتوح رازی کا سال ولادت ووفات دونوں ضبط تحریر میں نہ لایا جا سکا۔ ہمارے زمانے کے ایک محقق ڈاکٹر عسکر حقوقی نے "تحقیق در تفسیر ابو الفتوح رازی" کے نام سے کئی جلدوں میں ایک کتاب تحریر کی ہے اُس میں انھوں نے ابو الفتوح رازی کے بارے میں بڑی دیدہ ریزی کے ساتھ بکھری ہوئی معلومات کو جمع کر دیا ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق ابو الفتوح رازی کی وفات ۵۵۲ھ اور ۵۶۰ھ کے درمیانی وقفے میں ہوئی ہوگی۔

اپنے زمانہ کے مشہور شیعہ عالم ہونے کے باوجود ابو الفتوح رازی کی زندگی کے حالات محفوظ نہیں ہیں۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ عوام کے مذہبی عقائد کی اصلاح کے لیے وعظ گوئی میں اپنی زندگی کا بیشتر وقت صرف کرتے اور وعظ گوئی سے جو وقت بچ رہتا اُس کو تصنیف وتالیف کی نذر کرتے۔ ان کی تصانیف کے سلسلے میں بھی محققوں کے درمیان اختلاف ہے۔ "روض الجنان وروح الجنان فی تفسیر القرآن" اور "رسالۂ یوحنّا" کے بارے میں تو یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ یہ ابو الفتوح رازی ہی کی تصانیف ہیں۔ موخر الذکر کتاب مسئلۂ امامت پر ہے اور ایک نصرانی یوحنّا کی جانب

سے لکھی گئی ہے جو مسلمان ہو کر مختلف اسلامی فرقوں کا مطالعہ کر کے اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ مذہب اثنا عشری ہی برحق ہے۔ اِن تصانیف کے علاوہ ڈاکٹر عسکر حقوقی نے اُن سے منسوب دو اور رسالوں کا ذکر کیا ہے جن سے صَرف نظر کیا جاتا ہے۔

ابو الفتوح رازی کے دو فرزندوں کے نام تاریخ کے صفحات میں محفوظ رہ گئے ہیں۔ بڑے صاحبزادے کا نام شیخ صدر الدین علی تھا جو ایک متدین فرد ہونے کے ساتھ ساتھ فقیہ بھی تھے۔ دوسرے صاحبزادے شیخ تاج الدین محمد تھے جن کو اُن کے زمانے کے لوگوں نے "مرد فاضل و باورع" قرار دیا تھا۔ اُن کے اخلاف کے بارے میں اِس سے زیادہ کسی اور بات کا علم نہیں۔

ابو الفتوح رازی ساری عمر اپنے مولد رَے ہی میں قیام پذیر رہے اور وہیں وفات پائی۔ اُن کی قبر امام زادہ عبد العظیم حسنی کے مرقد کے جوار میں ہے۔ ڈاکٹر عسکر حقوقی نے حدیقۃ الشیعہ کے مصنف مُلّا احمد اردبیلی (م ۹۹۳ھ) کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ جب اردبیلی کا گذر اصفہان سے ہوا تو انھوں نے مشاہدہ کیا کہ اصفہان کے لوگوں نے ابو الفتوح عجلی شافعی کے مرقد کو ابو الفتوح رازی کا مرقد سمجھ لیا ہے اور "شیعہ عوام اپنے اجداد کی عادت کے مطابق ایک سنّی صوفی کے مرقد کی زیارت کے لیے جوق در جوق جاتے ہیں"۔ یہ دسویں صدی ہجری کا ذکر ہے اب اِس طرح کی کوئی غلط فہمی اہلِ علم یا عوام کے درمیان نہیں ہے اور یہ بات مان لی گئی ہے کہ ابو الفتوح رازی اپنے مولد رَے ہی میں مدفون ہیں۔

ابو الفتوح رازی کی شہرت کا سارا دار و مدار اُن کی تفسیر روض الجنان پر ہے یوں تو اس تفسیر کے بہت سے مخطوطے دنیا کے مختلف کتابخانوں میں محفوظ ہیں لیکن اِن میں سے دو انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ دونوں نسخے کتابخانۂ آستان قدس رضوی میں ہیں جن میں سے ایک کی کتابت ۵۵۶ھ/۱۱۶۱ء میں اور دوسرے کی ۵۵۷ھ/۱۱۶۲ء میں ہوئی تھی۔ ان دونوں مخطوطوں کی تاریخی اہمیت ہے ممکن ہے کہ اِن کی کتابت مصنف کے عہد حیات ہی میں ہوئی ہو، اگر یہ قیاس درست نہیں ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ مفسر کے انتقال کے دو تین ہی برس کے بعد اِن کی کتابت ہوئی تھی۔ اِن دو مخطوطوں کے علاوہ اِس کتابخانہ میں روض الجنان کے اور بھی مخطوطے محفوظ ہیں جن میں وہ دو جلدیں خاص

طور سے قابل ذکر ہیں جن کی کتابت ۹۴۷ اور ۹۴۹ھ میں ہوئی تھی۔

علاوہ بریں نسخۂ مجلس شورای ملی بھی ہماری خاص توجہ کا مستحق ہے جو نصف اوّل قرآن کی تفسیر ہے اگرچہ خود اس مخطوطے کی کتابت ۱۰۵۸ھ میں ہوئی ہے مگر چونکہ یہ مخطوط ۶۱۵ھ کے مکتوبہ ایک مخطوطہ سے نقل کیا گیا ہے اس لیے اُس کو مصنف کے انتقال کے نصف صدی بعد کا متن قرار دیا جاسکتا ہے اور یہی قدامت اِس مخطوطے کو اہمیت کا حامل قرار دیتی ہے۔

بعد کے کتابت کیے ہوئے مخطوطوں میں کتابخانۂ سلطنتی کا نسخہ بھی شامل ہے جو چار جلدوں میں ہے اور دو الگ الگ کاتبوں نے ۱۳۰۷ھ اور ۱۳۰۹ھ میں مکمل کیا تھا۔ ایران میں روض الجنان وروح الجنان فی تفسیر القرآن کا جو متن شائع کیا گیا ہے اُس کی اساس اسی مخطوطے کے متن پر رکھی گئی ہے۔

ہندوستان میں بھی ابوالفتوح رازی کی تفسیر کے دو مخطوطے محفوظ ہیں۔ ایک پٹنہ کے خدابخش لائبریری میں اور دوسرا علی گڈھ کی مولانا آزاد لائبریری میں۔ موخرالذکر نصف آخر کی تفسیر ہے جس پر کوئی ترقیمہ بھی نہیں ہے۔ خدابخش کے مخطوطے کے شروع کے دو صفحات غائب ہیں یہ مخطوطہ سورۂ بقرہ سے لے کر سورۂ کہف تک کی تفسیر پر مشتمل ہے اور اِس کی کتابت ۷۳۴ھ (۱۳۳۳-۳۴ء) میں ہوئی تھی یعنی محتاط اندازہ کے مطابق مصنف کے انتقال کے پچھتر سال بعد۔ سی۔ اے۔ اسٹوری کی انگریزی کتاب پرشین لٹریچر کا جو فارسی ترجمہ[1] ایران سے شائع ہوا ہے اس کے صفحہ ۱۱۶ پر اس مخطوطے کا ذکر ہے مگر کسی غلط فہمی کی بنا "ذخیرۂ سبحان اللہ خاں" کے مخفف کو کلیے "سبح" سے ظاہر کرنے کے "صبح" سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اِن مخطوطوں کے علاوہ کم از کم دس مخطوطے اور بھی دریافت ہوچکے ہیں جو قدامت کے لحاظ سے اہمیت نہیں رکھتے اس لیے اُن سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

ابوالفتوح رازی کی زیر بحث تفسیر بیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی برسوں میں مظفرالدین شاہ قاچار کے حکم سے شائع کی گئی تھی جس کا ذکر ڈاکٹر عسکر حقوقی نے

---

[1] موسسۂ مطالعات وتحقیقات فرہنگی، تہران، ۱۳۶۲ھ ش (۸۴-۱۹۸۳ء)

اپنی کتاب "تحقیق در تفسیر ابوالفتوح رازی" مطبوعہ ۱۳۴۶ھ ش مطابق ۱۹۶۸ء کیا ہے، اس سنہ کے بعد سے ۱۹۸۴ تک اس کی جتنی اور اشاعتیں ہوئی ہیں اُن کا ذکر "ادبیات فارسی" (سی۔ اے۔ اسٹوری کی انگریزی کتاب پرشین لٹریچر کا اضافوں کے ساتھ ترجمہ) میں موجود ہے ہم مطبوعہ اشاعتوں کی تفصیل اسی کتاب کی روشنی میں پیش کر رہے ہیں۔ یہاں اس امر کا ذکر ضروری ہے کہ "ادبیات فارسی" کی اشاعت کے بعد کی "روض الجنان" کی اشاعتوں تک ہماری دسترس نہ ہوسکی اس لیے اِس فہرست کو مکمل نہ سمجھنا چاہیے۔

۱۹۰۱ء میں قاجاری بادشاہ مظفرالدین شاہ نے فرمان جاری کیا کہ ابوالفتوح رازی کی تفسیر جو اُس وقت تک غیر مطبوعہ تھی شاہی مطبع سے شائع کی جائے۔ اِس حکم کی تعمیل میں مذکورہ تفسیر کو پانچ جلدوں میں شائع کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ جنوری ۱۹۰۷ء میں مظفرالدین شاہ نے اس دنیا کو خیرباد کہا اُس وقت تک اِس تفسیر کی جلد اول اور دوم شائع ہوچکی تھیں اور تیسری کی طباعت ہو رہی تھی اور ۱۷۳ صفحات چھپ چکے تھے۔ اُس وقت کے ایران کے سیاسی حالات کی وجہ سے قاچاریوں کے عہد حکومت میں اِس کام کو مکمل نہ کیا جاسکا۔ جب رضا شاہ کبیر کی حکومت قائم ہوگئی اور ایران میں امن و امان کا دور دورہ ہوا تو رضا شاہ کبیر کے حکم سے اِس نامکمل کام کو ۱۳۱۵ھ ش (۱۹۳۶-۳۷ء) میں مکمل کیا گیا اور چوتھی اور پانچویں جلدیں شائع ہوکر منظر عام پر آئیں۔ اِن جلدوں کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے۔ پہلی جلد سورۂ فاتحہ سے سورۂ نساء کے ایک حصّے تک کے ترجمہ و تفسیر پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد سورۂ نساء کے بقیہ حصّے سے شروع ہوکر سورۂ توبہ پر ختم ہوتی ہے۔ تیسری جلد کی ابتدا سورۂ یونس کے ترجمہ و تفسیر سے ہوتی ہے اور اختتام سورۂ مومنون کے ترجمہ و تفسیر پر۔ چوتھی جلد سورۂ نور سے سورۂ شعراء تک اور پانچویں جلد سورۂ زخرف سے سورۂ الناس تک کے ترجمہ و تفسیر پر مشتمل ہے۔

اس تفسیر کی دوسری اشاعت دس جلدوں میں ہوئی جو ۱۹۲۱ء سے لے کر ۱۹۲۳ء تک کے عرصہ میں منظر عام پر آتی رہیں۔ ابوالفتوح رازی کی تفسیر کے اس متن کو تہران یونیورسٹی کے استاد مہدی الٰہی قمشہ[۱] نے مرتب فرمایا ہے۔ اِسی متن کو ۱۳۳۵ھ ش مطابق ۱۹۵۶-۵۷ء

---

[۱] "ادبیات فارسی" میں قمشہی لکھا ہے ہم نے چاپ دوم کے سرورق کے مطابق یہ لفظ لکھا ہے۔

[۲] یہ سنہ "ادبیات فارسی" میں درج ہے جو صحیح نہیں ہے۔ چاپ دوم کی پہلی جلد فروردین ۱۳۲۰ھ ش=

میں پھر دس جلدوں میں شائع کیا گیا۔ اس کے دس گیارہ برسوں کے بعد حاجی میرزا ابوالحسن شعرانی کا مرتب کردہ متن ۱۳۴۷ھ ش مطابق ۱۹۶۸ء گیارہ جلدوں میں شائع ہو کر منظر عام پر آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۶۸ء کے بعد سے "ادبیات فارسی" کی سال اشاعت (۱۹۸۴ء) تک کوئی اور نئی اشاعت منظر عام پر نہیں آئی اسی لیے کسی اور مطبوعہ متن کا ذکر کتاب میں نہیں ملتا۔

فارسی زبان کے معلوم تفسیری سرمایے میں یہ وہ پہلی تفسیر ہے جو کسی شیعہ عالم کے قلم کی مرہون منت ہے۔ اس سے پہلے کی صدیوں میں ایرانی شیعہ علماء نے عربی زبان میں کلام پاک کی تفسیریں لکھی تھیں جن میں سے بعض بعض اب بھی موجود ہیں لیکن گمان غالب یہ ہے کہ ابوالفتوح رازی سے پہلے کسی شیعہ عالم نے فارسی زبان کو تفسیری نکات بیان کرنے کا اہل نہیں سمجھا تھا۔ ابوالفتوح رازی وہ پہلے شیعہ عالم ہیں جنھوں نے اپنی مادری زبان میں کلام پاک کی تفسیر لکھ کر اُس سلسلے کا آغاز کیا جس کو اُن کے ہم وطن آج بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔

یہاں اس بات کا بھی ذکر ضروری ہے کہ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے ایران میں مذہبی مناقشات کا دور دورہ تھا۔ ایک طرف شیعہ اور سُنی برسرپیکار تھے تو دوسری طرف سنیوں میں احناف اور شوافع ایک دوسرے کے لیے شمشیر بے نیام بنے ہوئے تھے۔ ابوالفتوح رازی نے مناقشات کے اسی دور میں روض الجنان وروح الجنان فی تفسیر القرآن کی تالیف کی ہے مگر چونکہ وہ وعظ گوئی کے ذریعہ اپنے مذہب کی ترویج واشاعت میں منہمک تھے اِس لیے انھوں نے اپنی تالیف کا انداز بیان کم سے کم مناظرانہ ہونے دیا ہے۔ علاوہ بریں جہاں جہاں ضرورت محسوس کی ہے وہاں وہاں جناب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت عمر اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بھی بیان کردہ روایات کو نقل کرنے سے گریز نہیں کیا ہے اور ان حضرات کا نام ادب واحترام سے لیا ہے۔

ابوالفتوح رازی کی اس فارسی تفسیر کی لسانی اہمیت بھی ہے۔ اِس تفسیر کے غائر مطالعے سے اُس زمانے کی فارسی زبان کا بڑا اچھا اور اہم مطالعہ کیا جا سکتا ہے اس کام کو

میں شائع ہوئی تھی سنہ عیسوی کے لحاظ سے یہ سنہ ۵۲ - ۱۹۵۱ قرار پاتا ہے۔

بڑی حد تک ڈاکٹر عسکر حقوقی نے انجام دے دیا ہے ۔جن حضرات کو اس موضوع سے خصوصی دلچسپی ہو اُن کو ڈاکٹر عسکر حقوقی کی کتاب "تحقیق در تفسیر ابو الفتوح رازی" کی تینوں جلدوں کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے ۔یہ مطالعہ چونکہ ہمارے موضوع سے خارج ہے اس لیے ہم ۔یہاں چند اُن کلمات و فقرات کو نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو یا تو آج متروک ہو چکے ہیں یا جن کے معنی بدل چکے ہیں ۔یہ سب کے سب ڈاکٹر عسکر حقوقی کی کتاب سے ماخوذ ہیں ۔

آتش زنہ = چقماق، آخرینان = متاخرین، احتمال کردن = تحمل کردن (برداشت کرنا)، آسمانہ خانہ = سقف (چھت)، اعتبار گرفتن = عبرت گرفتن (عبرت حاصل کرنا) انداخت = تدبیر، یہی لفظ توجہ اور التفات نہ کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے بار نہادن = وضع حمل (جننا)۔ بشولیدہ = آشفتہ، پریشان، بیدیدگی = نابینائی، بیران = ویران، پاتھی = پابرہنہ، باتیلچہ = پاتلہ، پاتیلہ (پتیلہ)، پس روی = پیروی، پی گر = پیرو، تاسہ = آرزو، تقصیر کردن = کوتاہ کردن (چھوٹا کرنا) تنگ رسیدن۔ بہت نزدیک ہو جانا، چراغ پای = ڈیوٹ، خوار = آسان، درحال خود یافتن = حالِ نزع، درخت سنب = موریانہ (دیمک) دندان کُند شدن = ناامید شدن، روده کان = امعاء (انتڑیاں)، زیر = کم تراز (سے کم)، ستنبہ = قوی ہیکل اور دلیر مرد، شبیازہ = چمگادڑ، شموس = سرکش، عبر کردن = عبور کردن (پار کرنا) غنیمت کردن = مال کو غنیمت میں لے جانا فرمان یافتن = مُردن (مرنا)، کراتین = عنکبوت (مکڑی)، کوف = بوم (اُلو)، گرم گاہ = میانۂ روز (دوپہر)، لنگ = عدل، مرجو = مرجمک (مسور)، نشاط کردن = میل داشتن (راغب ہونا)، شریر = خوب، پسندیدہ، ہمت کردن = ارادہ کردن، ہم سنگ = ہم وزن، واپس بعد از (اس کے بعد)، ورزا = گاو نر (بیل)، یاسہ = تمنا اور آرزو:

ڈاکٹر عسکر حقوقی نے الف بائی ترتیب سے ایسے الفاظ و فقرات کی ایک طویل فہرست مرتب کی ہے ۔ہم نے نمونے کے طور پر ہر حرف کے دو ایک الفاظ نقل کر دیے ہیں صرف درج بالا الفاظ کے مطالعے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ باوجود اس کے کہ ابو الفتوح رازی کا طرزِ تحریر صاف، سادہ اور رواں ہے اور باوجود اس کے کہ انھوں نے اپنے مباحث میں پیچیدگی نہیں پیدا ہونے دی ہے، آج کے زمانے میں اُن کی تفسیر سے

صحیح معنوں میں اُسی وقت استفادہ ممکن ہے جبکہ چھٹی صدی ہجری کے رَے اور نواحِ رَے کی فارسی زبان پر ایسی دسترس ہو کہ "عبر کردن" کو "عبور کردن" اور "نشاط کردن" کو "میل داشتن" سمجھا جا سکے اگر کسی کا علم اِس کے برعکس ہوا تو نتیجہ معلوم۔[۱]

یہاں پر دو اور باتوں کا چند الفاظ میں ذکر کر دینا ضروری ہے۔ ڈاکٹر عسکر حقوقی نے ابو الفتوح رازی کے سر پر دستار فضیلت باندھتے ہوئے اُن کی تفسیر کا چند دوسری تفسیروں سے موازنہ و مقابلہ بھی فرمایا ہے اور روض الجنان و روح الجنان فی تفسیر القرآن پر تفصیل سے اظہار خیال کرتے ہوئے یہ اطلاع فراہم کی ہے کہ ابو الفتوح رازی کی تفسیر، ابی جعفر محمد بن حسن علی الطوسی (م: ۴۶۰ھ) کی عربی تفسیر التبیان فی تفسیر القرآن سے بہت متاثر ہے مگر اِس کے باوجود اُس کو سرقہ نہیں کہا جا سکتا۔ سرقے کی بات درمیان میں یوں آئی کہ میرزا محمد بن سلیمان تنکابنی نے اپنی کتاب قصص العلماء (سنہ تکمیل ۱۲۹۰ھ ق) کے صفحہ ۳۲۸ پر ابو الفتوح رازی کا ذکر کرتے ہوئے امام فخر الدین رازی (۵۴۴-۶۰۶ھ ق) کے بارے میں جو گُل افشانی کی ہے اُس کا اردو ترجمہ یہ ہے "فخر الدین رازی نیشاپوری نے ابو الفتوح رازی کے مطالب کو چُرا کر اپنی تفسیر میں لکھا ہے"[۲]۔ ڈاکٹر عسکر حقوقی نے "بعض دوسرے لوگوں"[۳] کے اس خیال کو بھی نقل کیا ہے کہ فخر الدین رازی نے سرقے کے الزام سے بچنے کے لیے ابو الفتوح رازی کے مطالب پر تشکیکات کا اضافہ کر دیا ہے تاکہ ان کی تحریر ابو الفتوح رازی کی تحریر سے ممتاز و متمائز ہو سکے۔ خود ڈاکٹر عسکر حقوقی نے اپنے خیالات کو نسبتاً نرم الفاظ میں ظاہر کیا ہے اور لکھا ہے۔ فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر "مفاتیح الغیب" (یہ تفسیر، تفسیر کبیر کے نام سے بھی موسوم ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ ڈاکٹر عسکر حقوقی نے جگہ جگہ روض الجنان.... کو "تفسیر کبیر" کے نام سے موسوم کیا ہے) لکھتے وقت ابو الفتوح رازی کی تفسیر کو سامنے رکھا ہے اور اُس سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے۔[۴]

۱؎ فرہنگ معین ج ۶، طبع اول تہران ص ۱۴۶۸

۲؎ بحوالہ "تحقیق در تفسیر ابو الفتوح رازی"، ج ۱، ص ۱۹۶

۳؎ ڈاکٹر عسکر حقوقی نے یہ تحریر نہیں کیا کہ یہ "بعض دوسرے لوگ" کون ہیں؟

۴؎ "استفادہ ہای فراوانی کرد"

اپنی بات کو درست ثابت کرنے کے لیے انھوں نے ایک مثال بھی درج کردی ہے لیکن صرف ایک مماثلت کی بنیاد پر کوئی حتمی حکم نہیں لگایا جا سکتا چونکہ یہ موضوع ہماری آج کی بحث سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں رکھتا اِس لیے اِس سے صرفِ نظر کیا جاتا ہے۔
ایک بات اور، ابوالفتوح رازی، ترجمۂ تفسیر طبری سے نہ صرف یہ کہ واقف تھے بلکہ بعض بعض جگہوں پر انھوں نے اُس کا حوالہ بھی دیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ترجمۂ تفسیر طبری اور روض الجنان کا تقابلی مطالعہ کرکے یہ دیکھا جائے کہ ابوالفتوح رازی نے ترجمہ تفسیر طبری سے کس حد تک استفادہ کیا ہے اور کس حد تک انحراف؟

طول بیانی ابوالفتوح رازی کی تفسیر کا طرۂ امتیاز ہے۔ انھوں نے کلام پاک کی سورتوں اور آیتوں کی شان نزول بیان کرنے، ارشادِ الٰہی سے فقہی اور اخلاقی نکات اخذ کرنے، اپنی تفسیر کو اہمیت کا حامل بنانے کے لیے بیشتر مقامات پر احادیث کا سہارا لینے کے علاوہ علم نجوم وغیرہ کے طول طویل بیان سے اپنی تحریر کو مزین کیا ہے اور وہ انداز بیان اختیار کیا ہے جو آج بھی ہمارے واعظوں کا مقبول ترین انداز بیان ہے اپنی نثر میں زور پیدا کرنے کے لیے ابوالفتوح رازی نے عربی اور فارسی کے جتنے اشعار اپنی تفسیر میں نقل کیے ہیں اُس کی نظیر شاید ہی کسی اور تفسیر میں مل سکے۔ ہم ابوالفتوح رازی کی تفسیر کے متن کے مطالعے کا آغاز اُن کی نقل کردہ ایک فارسی حدیث سے کرتے ہیں جو اُن کے مذہبی مسلک کی ترجمان بھی ہے اور اُن کی فارسی نگاری کی غماز بھی۔

> "درخبر می آید کہ رسول گفت: بارخدایا من ایشانرا (اصحاب کہف) تو انم دیدن؟" خدائے تعالیٰ گفت: "تو ایشانرا نہ بینی ولیکن وصی خود را با جماعتی از صحابہ آنجا فرست تا ایشان را دعوت کنند، با دین و ایمان آورند بتو" گفت: "بارخدایا چگونہ روند آنجا؟" خدای تعالیٰ گفت: "بساطی بیار دایشانرا برآنجا نشان و باد را بفرمای تا ایشانرا بردارد و آنجا برد و آنجا برد" رسول علیہ السلام بفرمود: "تا بساطی بگسترد ند وابوبکر را گفت بر یک گوشہ نشین و عمر را گفت بر یک گوشہ نشین و سلمانرا گفت بر یک گوشہ نشین وابوذر را گفت بر یک گوشہ نشین و امیرالمومنین علیؑ را گفت بر میانۂ بساط بنشین" صحابہ گفتند یا رسول اللہ خدای تورا فرمود کہ وصی خود

را با قومی صحابہ آنجا فرست، از میان اینان وصی تو کیست ؟ گفت: "وصی من آنست کہ چون بر ایشان سلام کند جوابش دہند و چون سخن گوید با او مناظرہ کنند و آنان کہ وصی من نیستند ایشان را دستوری نیست کہ با وی سخن گویند و جواب سلام او دہند[1]"

روایت ہے کہ رسول (اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "اے میرے مالک کیا میں اُن لوگوں (اصحاب کہف) کو دیکھ سکوں گا" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "آپ اُن کو نہیں دیکھیں گے، لیکن صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ آپ اپنے وصی کو اُن کے پاس بھیجیں تاکہ وہ آپ پر اور آپ کے دین پر ایمان لانے کی اُن کو دعوت دیں" (آپ نے) پوچھا "اے میرے مالک وہ لوگ وہاں کس طرح جائیں" اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ایک چٹائی لائیے اور اُن لوگوں کو اس پر بٹھا دیجیے اور ہوا کو حکم دیجیے کہ وہ ان لوگوں کو اٹھالے جائے اور وہاں پہونچائے" رسول علیہ السلام نے حکم دیا، چٹائی بچھائی گئی آپ نے ابوبکر کو حکم دیا کہ "چٹائی کے ایک کونے پر بیٹھو، عمر کو حکم دیا کہ "ایک کونے پر بیٹھو"، سلمان کو حکم دیا کہ "ایک کونے پر بیٹھو" ابوذر کو حکم دیا "ایک کونے پر بیٹھو اور امیر المومنین علی سے فرمایا کہ "چٹائی کے بیچوں بیچ بیٹھو" صحابہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ، اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا ہے کہ اپنے وصی کو صحابہ کے ساتھ وہاں بھیجیں، اِن میں سے آپ کا وصی کون ہے؟" آپ نے فرمایا "میرا وصی وہ ہے جو، جب اُن کو سلام کرے تو وہ اس کا جواب دیں جب وہ اُن سے بات کرے تو وہ اُن سے بات[2] کریں اور وہ لوگ جو میرے وصی نہیں ہیں اُن کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ گفتگو کریں اور سلام کا جواب دیں[3]"

---

[1] جلد ۳ ص ۲۰۸ - ہم نے یہ عبارت ڈاکٹر عسکر حقوقی کی کتاب کی دوسری جلد کے صفحہ ۳۲۵ سے نقل کی ہے۔

[2] یہاں مناظرہ کا لفظ قابل توجہ ہے ہم نے سیدھا سادا سا لفظ "بات" ترجمے کے لیے منتخب کیا ہے۔

[3] جو حضرات اس حدیث کا تفصیلی مطالعہ کرنا چاہیں وہ ڈاکٹر عسکر حقوقی کی کتاب کی تیسری جلد کے ص ۴۴۵، ۴۴۷ کا مطالعہ فرمائیں۔

شیعہ حضرات کے نزدیک حضرت علی کا وصی ہونا محتاج ثبوت نہیں ہے اور اس پر کوئی کلام نہیں کیا جا سکتا۔ ابوالفتوح رازی کی بیان کردہ اِس حدیث میں جو بات باعث تعجب ہے وہ یہ ہے کہ چٹائی پر بیٹھنے والوں میں شیخین رض کا نام تو ہے مگر حضرت عثمان رض کا نہیں ہے۔ اگر وہ بھی اُس چٹائی پر ہوتے تو اُن پر بھی حضرت علی کا وصی ہونا منکشف ہو جاتا نجانے کس مصلحت سے حضرت عثمان رض سے یہ بات پوشیدہ رکھی گئی۔ اس مقام پر اِس بات کا دھرانا ضروری ہے کہ ابوالفتوح رازی بنیادی طور پر واعظ ہیں محدث نہیں اِس لیے انھوں نے یہ اطلاع فراہم نہیں کی کہ یہ حدیث کن کن راویوں سے روایت ہوتی ہوئی اُن تک پہونچی ہے۔ پہلی صدی ہجری سے لے کر چھٹی صدی ہجری تک راویوں کا جو طویل سلسلہ ہے اُس سے لاعلم ہونے کی بنا پر ہم یہ کہنے سے قاصر ہیں کہ اس حدیث کا درجہ کیا ہے؟ مصدقہ ہے، غریب ہے، ضعیف ہے یا وضعی ہے؟ ممکن ہے کوئی شیعہ محدث اِس حدیث کی اصالت، کی تائید یا تردید کر سکیں۔ سر دست ہم اس پر کسی تبصرے سے گریز کرتے ہیں۔ ہم نے اپنے زمانے کے دو مشہور ترین مجتہدوں مولانا کلب حسین صاحب مرحوم اور مولانا علی نقی صاحب مرحوم کی درجنوں مجالس سنی ہیں اِن دونوں بزرگوں نے حضرت علی رض کے فضائل میں جو احادیث بیان کیں اور ان کے وصی ہونے کے جو نقلی اور عقلی ثبوت پیش کیے ان میں اس طرح کی کسی بات کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے ایران کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ اُس کی سرزمین میں تصوف نے وہ عروج حاصل کیا جو پھر کسی زمانے میں حاصل نہ کر سکا۔ خراسان کے وسیع و عریض علاقے میں خصوصًا اور ایران کے دیگر علاقوں میں عمومًا تصوف کے نام لیواؤں کا وہ اژدہام ہوا کہ سانس لینا دشوار ہو گیا۔ شاعری ہو یا دوسرے علوم و فنون سب ہی تصوف کے مصطلحات اور کلمات و فقرات کو نہ صرف اپنانے لگے بلکہ خواہی نخواہی اپنے آپ کو طائفۂ صوفیہ میں شمار کرانے کی سعی و جہد میں مشغول ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اِن دونوں صدیوں میں جو فارسی تفسیریں عالم وجود میں آئیں، خواہ وہ سنّی علماء کی تحریر کردہ ہوں یا شیعہ علماء کی، متصوفانہ افکار و آرا سے گرانبار ہیں۔ ابوالفتوح رازی اگرچہ مذہبًا اثناعشری شیعہ ہیں اور ان کے مذہب میں تصوف کی وہ حیثیت نہیں ہے جو سنّی مذہب میں ہے مگر ماحول کے اثر سے ان کی تحریر کردہ تفسیر تصوف کی بولی بولنے میں کسی سے پیچھے نہیں دکھائی دیتی۔ طوالت سے بچنے

کے لیے ہم یہاں صرف ایک نسبتاً مختصر مثال کو نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اِس مثال میں انھوں نے تصوف کی زبان میں مومن و منافق کے فرق کو واضح فرمانے کی سعی کی ہے۔

"حاتم اصم گفت: مومن از ہمہ کس آیس بود مگر از خدای تعالی و منافق بہمہ کس امید دارد مگر بخدای تعالی و مومن عمل صالح می کند و می ترسد و منافق معصیت می کند و ایمن می باشد و مومن مال را سپر دین کند و منافق دین را سپر مال کند مومن طلب می کند مستحق را کہ چیزی باو دھد و منافق تعلل می کند تا چیزی ندہد بکسی و مومن اطاعت می کند و می گیرید و منافق معصیت می کند و می خندد مومن را خورد و خفت عبادتی باشد مومن زلتی کند بخطا از آن استغفار کند و منافق ہر گاہ قصد کند و اصرار کند مومن طالب سیاست بود منافق طالب ریاست بود مومن ہمہ کردہ باشد بگفت منافق ہمہ گفت بی کردہ سعی این در فکاک نفس خود بود و سعی او در ہلاک نفس خود بود مومن آنچہ کند خواہد کہ باز نگوید منافق آنچہ نکند خواہد کہ باز گوید چنانکہ خدای تعالی گوید:

وَيُحِبُّونَ اَنْ يُّحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا"

حاتم اصم کا قول ہے کہ مومن اللہ تعالی کے علاوہ سب سے ناامید رہتا ہے اور منافق اللہ تعالی کے علاوہ سب سے امید رکھتا ہے۔ مومن نیک کام کرتا ہے پھر بھی (اللہ سے) ڈرتا رہتا ہے اور منافق گناہ کرتا ہے پھر بھی دیدہ دلیر رہتا ہے۔ مومن مال کو دین کی ڈھال بناتا ہے اور منافق دین کو مال کی ڈھال بناتا ہے۔ مومن کسی مستحق کی تلاش میں رہتا ہے کہ اُس کو کچھ دے اور منافق بہانے تراشتا رہتا ہے کہ کسی کو کچھ دینا نہ پڑے۔ مومن اطاعت کرتا اور آنسو بہاتا ہے منافق گناہ کرتا اور ہنستا ہے۔ مومن کے لیے کھانا اور سونا عبادت ہوتا ہے[1] مومن دھوکے سے اگر غلطی کرتا تو اس پر استغفار کرتا ہے اور منافق ہر گناہ عمداً کرتا ہے اور اس پر اصرار کرتا ہے۔ مومن انصاف خواہ ہوتا ہے اور منافق مطلق العنانیت پسند مومن

[1] معلوم ہوتا ہے کہ یہاں منافق کے بارے میں جو جملہ تھا وہ ڈاکٹر عسکر حقوقی سے نقل کرتے وقت چھوٹ گیا ہے۔

سکوت کامل اور سراپا عمل ہوتا ہے اور منافق سراپا گفتار و بے عمل ۔ اس (منافق) کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے نفس کو آزاد چھوڑے رہے اور اُس (مومن) کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنے نفس کو دبائے کچلے رہے مومن جو کچھ کرتا ہے، چاہتا ہے کہ اس کا اعلان نہ ہو اور منافق جو کچھ نہیں کرتا ہے چاہتا ہے کہ اس کا بھی اعلان ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

"اور تعریف چاہتے ہیں بن کیے پر"

گذشتہ سطور میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو الفتوح رازی کی وفات ۵۶۰ھ کے آس پاس ہوئی ہوگی ۔ حاتم اصم کا سنہ وفات ۲۳۷ھ ہے یعنی ان کے اور ابو الفتوح رازی کے درمیان تین صدیوں کا بُعدِ مکانی ہے ۔ اِن دو حضرات میں سے ایک معلوم سُنّی ہے اور دوسرا شیعہ ۔ دونوں ہی اپنے اپنے معتقدین کے حلقوں میں خصوصی اہمیت کے حامل ہیں ۔ شیعہ مفسر و واعظ کا زمانۂ حیات وہ دورِ پُر فتن ہے جب شیعہ سنّی ہی نہیں سُنّی سُنّی بھی نہ صرف دست و گریبان تھے بلکہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بھی تھے ۔ پھر بھی محسوس ہوتا ہے کہ اُس دورِ پُر فتن میں بھی ہمارے دور سے کہیں زیادہ مذہبی رواداری موجود تھی ۔ ابو الفتوح رازی کی تفسیر اپنی تمام " اثنا عشریت " کے باوجود اُس مذہبی رواداری کی حامل نظر آتی ہے جو ہمارے اس "روشن خیالی" کے دور میں مفقود ہے ۔ ان کے یہاں ایسے ایسے صحابہؓ و صحابیاتؓ کی روایت کردہ احادیث کے حوالے ملیں گے جن کا نام بھی آج کے "روشن خیال" دور کے شیعہ علما اپنے نوکِ قلم پر لانا پسند نہیں کرتے ۔ یہی کچھ معاملہ انھوں نے سُنّی صوفیا کے ساتھ کیا ہے جس کی ایک چھوٹی سی مثال اوپر درج کی جا چکی ہے ۔ ہماری اس تحریر سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ابو الفتوح رازی کی تفسیر میں شیعیت کی روح کارفرما نہیں ہے ۔ یہ ایک راسخ العقیدہ شیعہ واعظ و مفسر کی تفسیر ہے جو دوسرے شیعہ مفسروں کی تفسیروں سے ممتاز و متمائز ضرور ہے کیونکہ اس میں مذہبی رواداری کا جذبہ بدرجۂ اتم دکھائی دیتا ہے ۔

ہمارے مفسروں کو اپنی جولانیٔ طبع دکھانے کا بہترین موقع وہاں ہاتھ آتا ہے جہاں کلامِ پاک نے مجمل طور سے کسی گذشتہ واقعے کا قصص کے انداز میں ذکر کر دیا ہے ابو الفتوح رازی کی تفسیر روض الجنان و روح الجنان فی تفسیر القرآن اس "وصف" سے نہ صرف یہ کہ

عاری نہیں ہے بلکہ دوسرے مفسروں کی جولانیٔ طبع کو میلوں پیچھے چھوڑ جاتی ہے اور اس جولانیٔ طبع کو اُن کی طول بیانی مہمیز کرتی ہے تو قاری اپنی تمام جودتِ طبع و تیز فہمی کے باوجود اُن کے فرمودات سے مکمل طور پر استفادہ کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ ان کے یہاں بات سے بات اس طرح نکلتی آتی ہے کہ قاری خواہی نہ خواہی حجرۂ ہفت بلا میں داخل ہو جاتا ہے جس سے نکلنا اُس کے بس سے باہر ہوتا ہے قصص کے موضوع سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لیے ڈاکٹر عسکر حقوقی نے ابوالفتوح رازی کی تحریروں کو مرتب کرکے ایک خاصی ضخیم جلد شائع کر دی ہے جس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے اس مفسر کو ایک مضمون کو کتنے رنگوں میں باندھنے کا فنکارانہ سلیقہ تھا۔ ہم نے طوالت سے بچنے کے لیے ان کی تحریر کے صرف ایک ایسے ٹکڑے کا انتخاب کیا ہے جس کی نظیر اُن کے یہاں ذرا کم ہی ملے گی۔ اس ٹکڑے کا عنوان مقام ابراہیم ہے جو درج ذیل ہے[1]

"چون مدتی برآمد و اسماعیل بزرگ شد، و ہاجر فرمان یافت و جُرہمیان آنجا فرود آمدند و اسماعیل از ایشان زنی خواست و با خانہ برد، ابراہیم علیہ السلام از سارہ دستوری خواست تا بیاید و اسماعیل را بہ بیند، سارہ گفت: رواست، ہجر و لیشرط آنکہ از اسپ فرونیائی، و او ندانست کہ ہاجر ماندہ نیست۔ ابراہیم بہ او شرط کرد و بیامد، چون بیامد جای دید بہ مَردُم آبادان و قبیلۂ بزرگ، فرود آمدہ، اسماعیل را خواست، او حاضر نبود بہ صید رفتہ بود بیرونِ حرم، زن اسماعیل بیرون آمد از خیمہ وگفت: تو را چہ می باید؟

گفت: اسماعیل را می خواہم

گفت: حاضر نیست

گفت: ہیچ طعامی و شرابی ہست

گفت: نہ

ابراہیم علیہ السلام گفت: اسماعیل چون باز آید بگوی کہ پیری تو را سلام می کند

---

[1] منقول از دو ہزار سال تفسیر فارسی، چاپ اول، ۱۳۶۹، تہران ص ۱۳۴ تا ۱۶۲

براین نشان وی گوید "آستان در بگردان کہ موافق نیست" و برفت ۔ چون اسماعیل باز آمد، بوی ابراہیم شنید گفت : ای زن کس غریب این جا حاضر بود ؟

گفت : بلی، پیری براین نشان و براین صفت کالمستخفّة بشانہ چون کسی کہ استخفاف کند !

گفت : چہ گفت ؟

گفت : تو را سلام کرد و گفت اسماعیل را بگو تا آستانہ در بگردان کہ نیک نیست ۔

گفت : طعام و شراب نخواست ؟

گفت : خواست، من ندادم ۔

گفت برخیز کہ طلاقت دادم و برو"

(جب ایک زمانہ گذر گیا اور (حضرت) اسماعیل بڑے ہو گئے، (بی بی) ہاجرہ کا انتقال ہو چکا اور (قبیلہ) جُرہُم کے لوگ وہاں آ کر رہنے لگے ۔ (حضرت) اسماعیل نے اُن کی ایک خاتون سے شادی کی اور اپنے گھر لے آئے ابراہیم علیہ السلام نے (بی بی) سارہ سے اجازت مانگی کہ وہ آ کر (حضرت) اسماعیل کو دیکھ لیں ۔ (بی بی) سارہ نے جواب دیا بہتر ہے اِس شرط پر تشریف لے جائیے کہ آپ گھوڑے سے نیچے نہ اتریں ۔ وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ (بی بی) ہاجرہ نہیں رہی ہیں ۔ (حضرت) ابراہیم نے شرط قبول کر لی اور تشریف لے آئے ۔ جب وہاں پہونچے تو انھوں نے وہ جگہ لوگوں سے آباد دیکھی جہاں ایک بڑا قبیلہ رکا ہوا تھا انھوں نے (حضرت) اسماعیل کو پوچھا ۔ وہ موجود نہ تھے گھر سے باہر شکار کے لیے تشریف لے گئے تھے ۔ (حضرت) اسماعیل کی اہلیہ خیمہ سے باہر آئیں اور پوچھا آپ کو کیا چاہیئے ؟

انھوں نے فرمایا، اسماعیل کو پوچھ رہا ہوں ۔

اُس نے کہا : موجود نہیں ہیں ۔

(حضرت ابراہیم نے پوچھا، کھانے پینے کی کوئی چیز ہے؟
جواب دیا: نہیں۔
ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، اسماعیل جب واپس آئیں تو اُن سے کہنا کہ اِس اس طرح کا ایک بوڑھا تم کو سلام کہتا ہے اور کہتا ہے کہ "دروازے کی چوکھٹ بدل دو کیونکہ وہ (چوکھٹ) مناسب نہیں ہے اور واپس تشریف لے گئے۔
جب (حضرت) اسماعیل واپس آئے انھوں نے (حضرت) ابراہیم (کے وجود) کی مہک محسوس کی تو پوچھا، اے خاتون کوئی مسافر اس جگہ آئے تھے؟ اُس نے جواب دیا، ہاں۔ اِس اِس طرح اور اِس صفت کے ایک بوڑھے (آئے تھے، یہ بات اُس نے اِس انداز سے کہی جیسے) کوئی کسی کا مذاق اڑاتا ہے۔ انھوں نے پوچھا، کیا کہا؟
اُس نے جواب دیا، آپ کو سلام کہا اور کہا کہ اسماعیل سے کہہ دینا کہ دروازے کی چوکھٹ بدل دیں کیونکہ (چوکھٹ) اچھی نہیں ہے۔
انھوں نے دریافت فرمایا کھانا پینا نہ مانگا؟
اُس نے جواب دیا، مانگا، میں نے نہیں دیا۔
انھوں نے فرمایا، اٹھ میں نے تجھے طلاق دی (یہاں سے) چلی جا
"زنی دیگر کرد۔ مدتی دیگر برآمد۔ دگر بارہ ابراہیم علیہ السلام دستوری خواست از سارہ، دستوری دادش ہم برین شرط۔
ابراہیم بیامد۔ اتفاق چنان افتاد کہ اسماعیل حاضر نہ بود چون بہ درخیمہ رسید، زن بیرون دوید وگفت، ای جوانمرد فرود ای کہ اسمٰعیل بہ صید است، ہم این ساعت آید، تو بیاسای تا آمدن او۔
ابراہیم گفت، فرو نتوانم آمدن، ولیکن بیش تو ہیچ طعامی وشرابی ہست؟
گفت: بلی وبدوید وبرای او گوشت آورد وشیر آورد۔
ابراہیم علیہ السلام بر پشت اسپ از آن بخورد وکرد ایشانرا برکت
درخبر می آید کہ: اگر آن زن بیش ابراہیم نان آوردی یا خرما وابراہیم برا دعا

کردی، در ہمہ روی زمین جای نہ بودی کہ گندم وخرما بیشتر بودی آز آنکہ بہ مکہ ولیکن دعا بر گوشت وشیر کرد، چندانی گوشت وشیر کہ بہ مکّہ باشد ہیچ جا نہ باشد.
آنگہ آن زن گفت: یا پیر یا برکت فرود آی تا سرت بشویم کہ گردناک شدہ است، از گرد راہ،
گفت: فرود نیایم ولیکن سنگی بیار تا من یک پای بر آنجا نہم ویک پای در رکاب نگہ دارم. برفت وسنگی بزرگ بیاورد در زیر پای ابراہیم نہاد ابراہیم علیہ السّلام یک پای بر آن سنگ نہاد تا او یک جانب سرش بشست اثر پای ابراہیم در آن سنگ بماند، پای دیگر بر سنگ نہاد تا او دگر جانب بشست، اثر پایش در آن سنگ ظاہر شد. آنگہ بر نشست واو را گفت چون شوہرت باز آمد، بگوی کہ آن پیر تو را سلام می کند ومیگوید: "عتبۂ در سخت صالح است مگردان" وبرفت"۔
(حضرت اسماعیل نے) دوسری شادی کر لی ایک عرصہ اور گذر گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے دوبارہ (بی بی) سارہ سے اجازت مانگی انھوں نے اجازت دے دی مگر اُسی شرط کے ساتھ۔ (حضرت) ابراہیم تشریف لائے، اتفاق ایسا ہوا کہ اس بار بھی) جناب) اسماعیل موجود نہ تھے۔ جب وہ خیمے کے دروازے پر پہونچے، خاتون باہر کی طرف دوڑیں اور انھوں نے کہا: اے عالی ہمت! آپ (سواری سے) نیچے تشریف لے آیئے، اسماعیل شکار کو گئے ہیں، اسی وقت آتے ہیں، اُن کے آنے تک آپ آرام فرمائیں۔
(حضرت) ابراہیم نے فرمایا، میں نیچے نہیں آسکتا ہوں لیکن کیا تمہارے پاس کچھ کھانے پینے کو ہے؟
اُن (خاتون) نے جواب دیا، ہاں، اور دوڑ کر ان کے لیے گوشت لائیں اور دودھ لائیں۔ ابراہیم علیہ السّلام نے گھوڑے کی پیٹھ پر (بیٹھے بیٹھے) اُس میں سے کھایا اور اُن لوگوں کے لیے برکت کی دعا کی۔

حدیث میں یہ بات آتی ہے کہ اگر وہ خاتون (حضرت) ابراہیم کے سامنے روٹی لاتیں یا کھجور اور (حضرت) ابراہیم اس پر دعا کرتے تو روئے زمین پر کوئی ایسی جگہ نہ ہوتی جس میں مکّہ سے زیادہ گیہوں اور کھجور ہوتی۔

لیکن (چونکہ) انھوں نے گوشت اور دودھ پر (برکت کی) دعا کی تھی (اس لیے) جتنا گوشت اور دودھ مکّہ میں ہوتا ہے روئے زمین کے کسی چپّے پر نہیں ہوتا۔

اُسی وقت ان خاتون نے کہا، بوڑھے بابا نیچے اتر آئیے تاکہ میں آپ کا سر دھو دوں جو راستے کی گرد سے اَٹ گیا ہے۔

(حضرت ابراہیم نے) جواب دیا، میں نیچے نہیں اتروں گا لیکن تم ایک پتھر لے آؤ تاکہ میں ایک پیر اس پر رکھوں اور ایک رکاب میں رکھے رہوں۔ وہ چلی گئیں اور ایک بڑا پتھر لے آئیں اور (حضرت) ابراہیم کے پیر کے نیچے رکھ دیا۔

ابراہیمؑ نے ایک پیر اُس پتھر پر رکھا تا آنکہ اُن خاتون نے ان کا ایک طرف کا سر دھویا (حضرت) ابراہیم کے پیر کا نشان اس پتھر پر نقش ہو گیا پھر دوسرا پیر پتھر پر رکھا۔ اس خاتون نے دوسری طرف بھی سر دھویا۔ اُس (طرف کے) پتھر پر (بھی حضرت) ابراہیم کے پیر کا نشان (باقی) رہ گیا۔ اُس وقت (سواری پر) بیٹھ گئے اور اُن خاتون سے کہا:

جب تمہارے شوہر واپس آجائیں تو کہنا کہ وہ بوڑھا تم کو سلام کہتا ہے اور کہتا ہے کہ دروازے کی چوکھٹ بہت صالح ہے اسے نہ بدل"۔ (یہ کہا) اور تشریف لے گئے۔

چون اسماعیل باز آمد، پدر را نہ دید، گفت: کسی اینجا بود، گفت: بلی، پیری چنین، بدین صفت، نیکو روی، خوش بوی و خوش خوی و ثنا گفت۔

گفت: چہ کردی؟ گفت: مہمانداری کردم و او را سرش بشستم و بسیار

لہ ابوالفتوح رازی نے یہ نہیں لکھا کہ اس حدیث کا راوی کون ہے؟

لابہ کردم، فرود نیامد۔
گفت: چہ پیغام داد
گفت: " تورا سلام می کند و می گوید: عتبۂ درنگاہ دار کہ مستقیم است و بدل مکن"
گفت: دانی تا او کہ بود؟ او پدر من است ابراہیم، خلیل خدای تعالے
عزوجل، پس مقام ابراہیم این سنگ است۔
انس مالک روایت می کند کہ من دیدم اثر انگشتان و پاشنہ در آن، اکنوں
ازبس کہ مردم دست درمالیدند اثر روشن نماندہ۔
عبداللہ بن عمر روایت کند کہ رکن و مقام دو یاقوت بود از یاقوتہای
بہشت خدای تعالیٰ عزوجل بہ زمین فرستاد و روشنائی ایشان بستد و
اگرہم چناں روشن بودندی، ہرگز در دنیا شب نہ بودی از نور و فروغ
ایشان و ہمہ زمین بہ نور ایشان منور بودی"
جب (حضرت) اسماعیل واپس تشریف لائے، والد کو نہ دیکھا۔ (اپنی
اہلیہ سے) پوچھا، کوئی یہاں تھا؟
انھوں نے جواب دیا، ہاں۔ ایک اس طرح کے بوڑھے ایسی صفت
کے حامل اور اچھے چہرے، اچھی مہک اور اچھے اخلاق والے (آئے
تھے) اور ان کی تعریف کی۔ (حضرت اسماعیل نے) پوچھا، تم نے کیا کیا؟
جواب دیا، میں نے ان کی مہمان داری کی، سر دھلوایا، میں نے بہت
منت کی مگر وہ (سواری سے) نیچے نہ اترے (حضرت اسماعیل نے) پوچھا
انھوں نے کیا پیغام دیا۔
(خاتون نے) جواب دیا "تم کو سلام کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دروازے کی
چوکھٹ کی حفاظت کرو کہ بالکل درست ہے اور بدلو نہیں۔"
(حضرت اسماعیل نے) فرمایا: تم جانتی ہو کہ وہ کون تھے؟ وہ میرے والد
ابراہیم تھے۔ قادر مطلق اللہ کے دوست، پس مقام ابراہیم یہ پتھر ہے۔
انس بن مالک (متوفی ۹۱ یا ۹۳ھ) روایت کرتے ہیں کہ میں نے اُن (حضرت
ابراہیم) کی انگلیوں اور تلوے کے نشان اُس (پتھر) پر دیکھے ہیں۔ اب

اُس پر لوگوں نے اتنا ہاتھ ملا کہ نشان واضح نہیں رہ گیا۔

عبداللہ ابن عمر (متوفی ۷۳ھ) سے مروی ہے کہ رکن اور مقام جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت تھے جن کو قادر مطلق اللہ نے زمین پر بھیجا اُن کی روشنی سلب کرلی، اگر وہ اُسی طرح روشن رہتے (جس طرح جنت میں تھے) تو اُن کی چمک اور روشنی کی وجہ سے دنیا میں ہر گز رات نہ ہوتی اور تمام کی تمام زمین اُن کی روشنی سے منور ہو جاتی۔

ابو الفتوح رازی نے درج بالا صفحات میں جو کچھ تحریر کیا ہے اُن میں کوئی نادر بات نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ایسا نکتہ ہے جس کو ان کی وضع خاص یا تحقیق خاص کا نمونہ قرار دیا جا سکے۔ جہاں تک "مقام ابراہیم" کا سوال ہے اس سلسلے میں علمائے امت میں شروع ہی سے اختلاف رہا ہے اور آج بھی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس اور چند اکابر صحابہ و تابعین "مقام ابراہیم سے مراد پورا خانۂ کعبہ لیتے ہیں۔ دوسرے گروہ کے علماء اس سے مراد وہ پتھر لیتے ہیں جو آج بھی خانۂ کعبہ کے فرش کا ایک جزو ہے[1]۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وہی پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانۂ کعبہ کی دیوار اونچی کی تھی اور اس پتھر پر اُن کے پیروں کا نقش بن گیا تھا۔ اب "مقام ابراہیم" کے نام سے موسوم جگہ پر جو پتھر ہے اُس پر کوئی نقش قدم نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ عقیدت مندوں نے اُس پر اس کثرت سے ہاتھ پھیرا کہ نقش قدم معدوم ہو گیا۔ اس مقام پر ہم خاص طور سے اِس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ ابو الفتوح رازی نے اپنی تفسیر میں مشہور تابعی کعب الاحبار (م: ۳۲ھ) اور انہی کے قبیل کے راویوں کی روایتوں کو دل کھول کر نقل کیا ہے جس کے نتیجے میں اُن کے یہاں بھی اسرائیلیات کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے۔ شاید اُن کے عہد حیات کا یہی تقاضا رہا ہو۔

رہی یہ روایت کہ حضرت ابراہیمؑ جب حضرت اسماعیلؑ سے ملنے کے لیے مکہ تشریف لائے تو بی بی سائرہ کی قسم کی وجہ سے سواری سے نیچے نہ اترے پھر وہی سب کچھ ہوا جس کا حال ابو الفتوح رازی کے تحریر کردہ درج بالا ٹکڑے میں موجود ہے۔ اس واقعہ کو تحریر کرنے میں ابو الفتوح رازی منفرد نہیں ہیں، ترجمۂ

---

[1] انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں جب سرسید احمد خاں نے اپنی تفسیر لکھی تھی اس زمانے میں جہاں وہ پتھر جزو فرش ہے شافعی امام کھڑے ہوتے تھے۔ یاد رہے کہ سعودیوں کی آمد سے پہلے خانۂ کعبہ میں چار مصلّے تھے۔

تفسیر طبری میں بھی جزوی اختلاف کے ساتھ یہی منظر دیکھا جاسکتا ہے[1]۔ اسی طرح ابوالفتوح رازی نے حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی جو روایتیں نقل کی ہیں وہ چند لفظی اختلافات کے ساتھ دوسری تفسیروں میں بھی نظر آجاتی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سارے خیالات چھٹی صدی ہجری میں مسلمات کے طور پر عام تھے اور اُن کو قبول کرنے میں شیعہ یا سنّی کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ اگر اس بات کو ماننے سے انکار کیا جاتا ہے تو پھر اِس بات کا اعتراف کرنا ہوگا کہ ابوالفتوح رازی نے اپنی تفسیر تحریر کرتے وقت اپنے ملک کی غالب اکثریت[2] کے میلان طبع کو مدنظر رکھتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے وہ اُن ہی کے بزرگوں کے حوالے سے لکھا ہے اور جہاں تک ہو سکا ہے انھوں نے غالب اکثریت کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہونچائے بغیر اپنی بات کہنے کی کوشش کی ہے۔ اس روش احتیاط کے باوجود جہاں اِس بات کا موقع تھا کہ وہ اپنے فقہی مسلک کا کھل کر اظہار کریں اور کلام پاک کی تعبیر و تشریح اُسی کے مطابق کریں وہاں انھوں نے اس سے قطعی روگردانی نہیں کی ہے جس کی ایک مثال اِس مطالعے کے آخری حصّے میں پیش کی جائے گی۔

---

[1] فارسی کی چند اہم تفسیریں جلد اول، کبیر احمد جائسی، انجمن استادان فارسی دہلی، ۱۹۹۷ء ص ۴۵-۴۸۔

[2] صفویوں کے عہد (۹۰۷ھ/۱۵۰۲ء - ۱۱۴۸ھ/۱۷۳۶ء) سے پہلے ایران میں سنّیوں کی اکثریت تھی۔

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی کی ایک اہم کتاب

ایمان وعمل کا قرآنی تصوّر

الطاف احمد اعظمی

○ ایمان وعمل کے مروجہ تصور کی کمزوریوں کی نشان دہی کرتی ہے۔ ○ قرآن وسنت کے نقطۂ نظر کی مدلل اور دلنشیں تشریح کرتی ہے ○ ایمان وعمل کے تقاضے اور دنیا اور آخرت میں کامیابی کی راہ واضح کرتی ہے۔ آفسٹ کی طباعت۔ خوبصورت سرورق۔ صفحات ۲۸۰ قیمت ۲۵ روپئے لائبریری ایڈیشن ۳۰ روپئے

ملنے کا پتا: ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲